خطبۂ صدارت

۳۴واں اجلاس عام

جمعیۃ علماء ہند

از

محمود اسعد مدنی

صدر جمعیۃ علماء ہند

منعقدہ

۱۰، ۱۱، ۱۲ فروری ۲۰۲۳ء بروز جمعہ، ہفتہ و اتوار

بمقام رام لیلا میدان (عثمان آباد) ترکمان گیٹ، نئی دہلی

شائع کردہ

شعبۂ نشر و اشاعت جمعیۃ علماء ہند

۱- بہادر شاہ ظفر مارگ نئی دہلی-۱۱۰۰۰۲

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونومن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ، ونشھد ان سیدنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ، صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ وذریاتہ اجمعین، اما بعد!

حضرات گرامی قدر !

جمعیۃ علماء ہند حریمِ ملت کی پاسباں اور عظیم امانت کی کلید بردار جماعت ہے، اس کی روشن ملی خدمات اور قربانیوں کے مدنظر، ملت اسلامیہ ہند آج اس کی طرف امید کی نگاہ سے دیکھ رہی ہے، اس لیے ہم سب کا اہم ترین فریضہ ہے کہ ہم اپنی وسیع تر ذمہ داریوں کو محسوس کریں اور قول سے زیادہ عملی اقدام کو اپنا وطیرہ بنائیں۔ یہ خاکسار اپنی تمام تر خامیوں اور کوتاہیوں کے اعتراف کے ساتھ ہرگز اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ اس بارگراں کو برداشت کر سکے۔ اس لیے ہمارے لیے یہ خوش نصیبی بھی ہے اور حرماں نصیبی بھی: خوش نصیبی اس معنی کر ہے کہ مجھے جمعیۃ علماء ہند جیسی عظیم جماعت کی صدارت کا موقع ملا اور حرماں نصیبی اس معنی کر ہے کہ اس عظیم جماعت کے منصب صدارت پر ایسی اولوالعزم اور عظیم المرتبت شخصیات جلوہ افروز رہی ہیں، جن کے قلوب ہمہ وقت یادِ الٰہی میں مستغرق رہے، جن کا سینہ معرفت الٰہی سے پُر تھا اور جن کی صحبت راہ حق کے لیے

رہ نما تھی، جن کے دن انسانیت کی خدمت کے لیے دوڑ دھوپ میں گزرتے تھے اور جن کی راتیں پروردگار عالم کے سامنے کھڑے ہو کر ملک وملت کے لیے بے چینی واضطراب کے ساتھ آہ وزاری میں گزرتی تھیں، مجھے بڑی حیا آتی ہے کہ میرے جیسا شخص جو صحیح معنیٰ میں ننگِ اسلاف ہے، اس کے دوش ناتواں پر ان بزرگانِ پاک طینت کی نیابت کا بارگراں ڈال دیا گیا۔ آپ حضرات سے دعاء کی درخواست ہے کہ اللہ اس بندۂ ناچیز کو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اس منصب جلیل کی ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے اور اپنے بڑوں کے نقش قدم پر چلنے کا حوصلہ مرحمت فرمائے (آمین)

عزیزان گرامی قدر!

اس موقع پر مجھے اپنے ان دو بزرگوں کی یاد آرہی ہے جن کی قیادت ورفاقت میں خاکسار کو دو دہائی سے زائد عرصے تک ملک وملت کے لیے کام کرنے کا موقع ملا۔ یہ خاکسار ۱۹۹۶ء میں جمعیۃ علماء ہند کا ناظم مقرر ہوا، بعدہ ۲۴ر ستمبر ۲۰۰۱ء کو ناظم عمومی نامزد ہوا۔ اس وقت مرشدی فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی قدس سرہٗ جمعیۃ علماء ہند کے صدر باوقار تھے، حضرت فدائے ملتؒ عزم واستقلال کے پہاڑ تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو بے مثال خوبیوں سے نوازا تھا، ملک وملت کے لئے آپ کی ہردم فکرمندی؛ بلکہ دردمندی بے نظیر تھی۔ اسی طرح میرے مربی اور استاذ محترم حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان منصورپوریؒ جماعتی زندگی کے مشکل حالات میں جمعیۃ علماء ہند کے صدر منتخب ہوئے۔ ان کی زندگی کا سب سے اعلی اور ممتاز وصف اخلاص وللّٰہیت، کسر نفسی، سادگی اور بے نفسی تھا، آپ اصول پسند، دور بیں اور صاحب بصیرت عالم تھے۔ اللہ تعالی ان دونوں بزرگوں کی قبروں کو نور سے منور کردے، ان دونوں بزرگوں نے جمعیۃ علماء ہند کی تحریکات اور عزائم کو اپنے حوصلوں سے جلا بخشی۔

حضرات گرامی قدر!

آج ہمارا ملک نفرت اور مذہبی تعصب کی زد میں ہے،نوجوانوں کوتعمیری کاموں میں لگانے کے بجائے تخریب کا آلۂ کار بنایا جارہا ہے۔میڈیا اشتعال پھیلانے کا سب سے بڑا حربہ بن گیا ہے۔مذہب اسلام،اسلامی تہذیب اور کلچر بالخصوص سرور کائنات آقائے نامدار تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بے ہودہ و بے بنیاد پروپیگنڈہ کی مہم پورے شباب پر ہےاورارباب اقتدار،سپریم کورٹ کی تنبیہات کے باوجودانہیں آزاد چھوڑ کران کی حوصلہ افزائی کررہے ہیں۔

جمعیۃ علماء ہند جارحانہ فرقہ واریت کو پوری قوم اور وطن کا نقصان عظیم تصورکرتے ہوئے اسے وطن کی سالمیت کے لیے سخت خطرہ سمجھتی ہے، فرقہ واریت ہمارے معاشرے کی ہم آہنگی کی عظیم وراثت سے ہرگزمیل نہیں کھاتی۔ مختلف مذاہب کے درمیان دوستانہ بلکہ برادرانہ رشتے ہمارے معاشرے کی قابل فخراور پائیدارخصوصیات ہیں۔ان رشتوں کو نقصان پہنچانا قومی جرم ہے۔

آیئے ہم اس بھڑکتی ہوئی آگ پرقابو پالیں جو ماضی کی نسلوں کی محنت سے بنی ملک کی عظیم وراثت کو ملیا میٹ کر رہی ہے اور ایک ایسے وطن کی تعمیر کریں جہاں ذہن بغیر خوف کے چل سکے۔آج کا دور اصول اور آدرشوں کی حفاظت کے لیے جنگ لڑنے کا دور ہے،آج ہرطرف یہ آوازیں اٹھنے لگی ہیں کہ دستور ہند میں دی گئی ضمانتیں بے سود ہیں ، ان حالات میں اگر سوامی وویکانند،گاندھی،نہرو اور چشتی کے آدرش کو ماننے والے لیڈران اسی طرح تماشائی بنے رہے تو نہیں کہا جاسکتا کہ ملک کا حشر کیا ہوگا۔دلتوں ، پسماندہ طبقات اوراقلیتوں کونظرانداز کرکے ملک کی ترقی کا تصور محال ہے، یہ وطن سب کا ہےاورسب کے حقوق اورفرائض یکساں ہیں۔

اس لئے تمام انصاف پسند جماعتوں اورملک دوست اَفراد کی ذمہ

داری ہے کہ ردعمل اور جذباتی سیاست کے بجائے متحد ہوکر شدت پسند اور فسطائی طاقتوں کا سیاسی اور سماجی سطح پر مقابلہ کریں اور ملک میں بھائی چارہ، باہمی رواداری اور اِنصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے ہر ممکن جدو جہد کریں۔

ہم امت کے نوجوانوں اور طلبہ کی تنظیموں کو خاص طور سے متنبہ کرتے ہیں کہ وہ اندرونی و بیرونی وطن دشمن عناصر کے براہ راست نشانے پر ہیں، انھیں مایوس کرنے، بھڑکانے اور گمراہ کرنے کا ہر حربہ استعمال کیا جارہا ہے، اِس لیے حالات سے ہر گز مایوس نہ ہوں اور نہ ہی صبر و ہوش کا دامن چھوڑیں۔ جو نام نہاد تنظیمیں اسلام کے نام پر جہاد کے حوالے سے انتہا پسندی اور تشدد کا پرچار کرتی ہیں اور قومی سلامتی کے زاویے سے ایجنسیوں کی نظر میں قابل گرفت اور مشتبہ ہیں، ان سے بیزاری اور دوری بنائے رکھنا ہمارے نوجوانوں اور طلبہ کے تحفظ اور ان کے کیرئیر کے لیے بے حد ضروری ہے۔ جانے انجانے میں ذرا سی غفلت ان کے پورے خاندان کو تباہ کر سکتی ہے۔

بھارت ہمارا وطن

بھارت ہمارا وطن ہے، جتنا یہ وطن نریندر مودی اور موہن بھاگوت کا ہے، اتنا ہی محمود کا ہے۔ نہ محمود ان سے ایک انچ آگے ہے اور نہ وہ محمود سے ایک انچ پیچھے ہیں۔ ساتھ ہی اس دھرتی کی خاصیت یہ ہے کہ خدا کے سب سے پہلے پیغمبر ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام یہیں آئے، یہ دھرتی اسلام کی جائے پیدائش اور مسلمانوں کا پہلا وطن ہے۔ اس لیے یہ کہنا کہ اسلام باہر سے آیا ہوا کوئی مذہب ہے، سراسر غلط اور تاریخی اعتبار سے بے بنیاد ہے۔ اسلام اسی ملک کا مذہب ہے اور سبھی مذاہب میں سب سے قدیم اور پرانا بھی ہے۔ اسلام کے آخری پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسی دین کو مکمل کرنے آئے تھے۔

اس لیے میں واضح طور سے کہتا ہوں کہ بھارت، ہندی مسلمانوں کے لیے وطنی اور دینی دونوں حیثیتوں سے سب سے اچھی جگہ ہے ،لیکن ساتھ ہی اس حقیقت کا ادراک بھی ضروری ہے کہ اپنے ہی وطن میں رہنے کا بھی ایک نظام اور سسٹم ہے،اگر وہ نظام درست ہے تو اس ملک کے باشندوں کے لیے رہنا آسان ہو گا اور اگر وہ نظام بگڑ جائے تو شہریوں کی زندگی مشکل ہو جائے گی۔اس لیے ہمیں دیکھنا ہوگا کہ ہمارے ملک کا نظام کیسا ہے اور اس کے چلانے والے اپنی ذمہ داریوں کے تئیں کس قدر مخلص ہیں۔ہمارا ایسا سمجھنا ہے کہ (۱) آئین (۲) جمہوریت (۳) انسانی حقوق، ماڈرن انڈیا کی پہچان ہیں۔اگر یہ تین چیزیں مستحکم ہیں تو پھر یہ کہنا آسان ہوگا کہ ہمارا ملک اپنے باشندوں کے لیے سب سے اچھی جگہ ہے،لیکن اگر ان تینوں یا تینوں میں سے کسی ایک پر بھی کمپرومائز ہو جائے تو پھر ہمارے لیے یہ کہنا ہرگز آسان نہیں ہوگا۔اس کو پرکھنے کے لیے ہمیں جمہوریت کے چار ستونوں (۱) مقنّنہ (۲) انتظامیہ (۳) عدلیہ (۴) میڈیا کا جائزہ لینا ہوگا۔

انصاف کی حکمرانی

کسی بھی مہذب سماج کے لیے عدل وانصاف سب سے بڑا معیار ہے، عدل وانصاف کے بغیر بڑی سے بڑی ریاست اور بڑے سے بڑا ملک باقی نہیں رہ سکتا ہے۔ہر حکمراں کا اولین فرض اپنی رعایا کو انصاف مہیا کرانا ہے۔ملک میں امن وامان کا قیام اور جرائم سے پاک معاشرے کی تشکیل انصاف کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ہمارے ملک وسماج کی یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ نہ صرف ہم ظالموں، قاتلوں اور لٹیروں کو قرار واقعی سزا دینے میں ناکام ہیں، بلکہ بے قصور افراد کو جان بوجھ کر گرفتار کیا جاتا ہے اور پھر ان کو طویل المدت قید میں رکھا جاتا

ہے اور بیسیوں سال گزرنے کے بعد عدالت ان کو رہا کر دیتی ہے، ایسے ہزاروں واقعات کا ریکارڈ پیش کیا جا سکتا ہے۔ اسی کے مدنظر جمعیۃ علماء ہند نے بے قصور افراد کی رہائی اور ان کے مقدمات کی پیروی کے لیے ایک مستقل شعبہ قائم کیا ہے، جس کے ذریعہ نچلی عدالتوں سے لے کر سپریم کورٹ تک ہم ہزاروں افراد کے مقدمات لڑ رہے ہیں۔ خاص طور سے ان لوگوں کے مقدمات جن کو یو اے پی اے اور دہشت گردی کے دیگر قوانین کے تحت بے جا گرفتار کیا گیا ہے، نیز یہ بات بھی عام طور سے دیکھی جاتی ہے کہ فسادات کے موقع پر مسلمان مارے اور لوٹے بھی جاتے ہیں اور الٹا ان ہی کو قصور وار ٹھہرا کر قید و بند کی سزا دی جاتی ہے۔

کلیجہ تھام لو، روداد غم ہم کو سنانے دو
تمھیں دکھا ہوا دل ہم دکھاتے ہیں، دکھانے دو
زمانہ صبر کر لیتا ہے، عاجز ہم بھی کر لیں گے
خلش دل کی مٹا لینے کو دو آنسو بہانے دو

عدلیہ پر اٹھنے والے سوالات

سپریم کورٹ اور ملک کی دوسری عدالتیں بھارت کی سب سے بڑی جمہوریت کی محافظ اور اس کی طاقت ہیں، یہ عدالتیں اپنے خودمختار نظام کی وجہ سے حکومتوں کے بے لگام اقدامات پر قدغن لگاتی ہیں، سماجی بہبود، ماحولیات کے تحفظ، انتخابی اصلاحات وغیرہ کے مسائل پر ان کے احکامات اور رہنما اصول ملک کی درست رہنمائی کا سبب بنتے رہے ہیں۔ لیکن گزشتہ کچھ عرصے سے بالخصوص بابری مسجد، طلاق ثلثہ اور رافیل وغیرہ پر فیصلوں کے بعد یہ تاثر عام ہو رہا ہے کہ عدالتیں ریاست کے دباؤ میں کام کر رہی ہیں۔ اقلیتوں کے آئینی حقوق اور

دستور کے بعض بنیادی اصولوں کی تشریح کی ایسی مثالیں سامنے آئی ہیں جنھوں نے عدالتوں کے کردار پر سوالیہ نشان لگادیا ہے۔ مختلف عدالتوں نے مسلم پرسنل لاء سے متعلق مسائل کو لے کر جو فیصلے دیئے ہیں، ان سے ایسا محسوس ہوا کہ ان عدالتوں نے قانون کی تشریح کے بجائے قانون وضع کرنے کی کوشش کی ہے۔ حال میں دیئے گئے درج ذیل فیصلے اس کی اہم نظیر ہیں:

(۱) بابری مسجد کا قضیہ (۲) طلاق ثلٰثہ کا مسئلہ (۳) نابالغ کی شادی کے بارے میں مسلم پرسنل لاء پر پی سی ایکٹ اور پاکسو کی ترجیح کا فیصلہ (۴) خلع کے سلسلے میں کیرالہ ہائی کورٹ کا فیصلہ (۵) طلاق یافتہ خاتون کے نان ونفقہ کے بارے میں ممبئی کی ایک عدالت کا فیصلہ (٦) الہ آباد ہائی کورٹ کے ذریعہ مسلمانوں کی دوسری شادی کی تشریح (۷) حجاب کے بارے میں کرناٹک ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے فیصلے (۸) گیان واپی اور متھرا عیدگاہ کا سروے کرانے کا فیصلہ (۹) عبادت گاہ ایکٹ کو نظر انداز کرتے ہوئے گیان واپی اور متھرا کے مقدمات کو قابل سماعت قرار دینے کا فیصلہ (۱۰) جبری تبدیلیٔ مذہب کے الزام میں مبلغین کی گرفتاری، ان کو ضمانت نہ دیا جانا اور مختلف ریاستوں میں جبری تبدیلیٔ مذہب سے متعلق قانون سازی وغیرہ۔

مقنّنہ کے ذریعے ناانصافی

بھارت کی متعدد ریاستوں نے مذہب کی تبدیلی کو کنٹرول کرنے کے لیے قوانین بنائے ہیں۔ گجرات اور مدھیہ پردیش ہائی کورٹوں نے ان دفعات پر یہ کہتے ہوئے روک لگادی ہے کہ یہ کسی شخص کی پرائیویسی کے حق کی خلاف ورزی پر مبنی ہیں۔ اس کے خلاف متعلقہ سرکاروں نے سپریم کورٹ میں اپیل بھی دائر کی ہے۔ متعدد ریاستوں کے ذریعہ مذہبی تبدیلی کے خلاف قانون سازی کا مقصد

مذہبی آزادی جیسے بنیادی حق کونقصان پہنچانا اوراس کی آڑ میں اقلیتوں کونشانہ بنانا ہے۔ان قوانین کی زبان اس قدر مبہم ہے کہ وہ خود مذہبی آزادی کے لیے سنگین چیلنج ہے جوآئین ہند کا بنیادی حصہ ہے۔

''زبردستی''، ''دھوکہ دہی'' اور ''لالچ'' کے ذریعہ کسی کا مذہب تبدیل کرانے کے ہم بھی مخالف ہیں لیکن دیکھنے میں یہ آرہا ہے کہ جولوگ حقیقی طور پر سچے دل سے مذہب بدلتے یا بدلواتے ہیں ان کے خلاف بھی زبردستی، دھوکہ دہی اور لالچ کا غلط الزام لگا کر انھیں گرفتار کیا جارہاہے اوراس سلسلے میں مذکورہ قانون کا بے جا استعمال ہورہا ہے۔اس لیے ایسا قانون ہرگز قابل قبول نہیں ہے۔

انتظامیہ کا رویہ

انتظامیہ اور قانون نافذ کرنے والی ایجنسیاں قانون کا غلط استعمال کرکے اقلیتوں کونشانہ بنارہی ہیں۔گزشتہ دنوں ایسی کئی مثالیں دیکھنے میں آئی ہیں:

(۱) عوامی مقامات میں نماز پر پابندی

پریاگ راج ریلوے اسٹیشن ویٹنگ ایریا میں نمازادا کرنے والوں کی ویڈیو منظر عام پرآنے کے بعد پولیس نے معاملے کی تحقیق شروع کردی اور پھران کے خلاف کارروائی کی۔اسی طرح جون ۲۰۲۲ء میں علی گڑھ کے ایک پروفیسر کو کالج لان میں نماز پڑھنے کے بعد ایک ماہ کی چھٹی پر بھیج دیا گیا۔کالج نے پروفیسر کے خلاف انکوائری قائم کردی اور پولیس نے بھی ان کے خلاف کارروائی کی۔مئی میں چار سیاحوں کوتاج محل کے اندرواقع ایک مسجد میں نمازادا کرنے پر گرفتار کیا گیا۔جنوری کے شروع میں ہندوتو تنظیم کے کارکنان بنگلورو کے ایک ریلوے اسٹیشن کی انتظارگاہ میں گھس گئے جہاں نمازادا کی جارہی تھی۔انھوں نے

کہا کہ نماز "قومی سلامتی کے لیے خطرہ" ہے اور نماز بند نہ کرنے کی صورت میں شدید احتجاج کی دھمکی دی۔

لولو مال لکھنو میں نماز ادا کرنے کی صورت میں ملزمان کے خلاف تعزیرات ہند کی چار دفعات کے تحت مقدمہ درج کیا گیا۔ ان پر دو گروہوں کے درمیان دشمنی کو فروغ دینے (دفعہ 153A)، کسی گروہ کے مذہبی جذبات کو مشتعل کرنے (دفعہ 295A)، کسی شخص کو غلط طریقے سے روکنے (دفعہ 341) اور عوامی فساد کا باعث بننے والے بیانات (دفعہ 505) جیسی دفعات شامل تھیں۔ ان میں سے چند دفعات کے تحت پولس کسی شخص کو بغیر وارنٹ کے گرفتار کرسکتی ہے اور پیشگی ضمانت نہیں دی جاتی۔ ظاہر سی بات ہے کہ یہ دفعات کسی بھی طرح نماز جیسی عبادت انجام دینے والوں پر عائد نہیں ہوتیں اور نہ نماز ایسی عبادت ہے جو خود میں دو قوموں کے درمیان نفرت پیدا کرنے کا سبب ہو۔

(۲) شہری حقوق کے مظاہرین کے خلاف پولس کا رویہ

شہری حقوق اور کسانوں سے متعلق قوانین کے خلاف مظاہرین کے ساتھ یوپی میں خاص طور پر پولس کا رویہ انتہائی شرمناک اور افسوسناک رہا ہے، پوری ریاستی مشینری نے شدید تعصب کے ساتھ کام کیا اور ایک خاص کمیونٹی اور سماجی کارکنان کو نشانہ بناتے ہوئے تشدد کا ارتکاب کیا۔ اس درمیان پولیس تشدد کی خوفناک تصاویر اور ویڈیوز سامنے آئیں۔ ۲۰۱۹ء میں شہری حقوق کے مظاہرین پر اسٹن گرینیڈ اور فائرنگ کا استعمال کیا گیا جن کی وجہ سے 19 سے زائد افراد ہلاک ہوئے۔ پولس کے اوپر املاک پر حملہ کرنے، خواتین اور بزرگوں کو مارنے، کئی مظاہرین کو حراست میں لینے کا بھی الزام عائد ہوا۔ عام طور پر ٹارچر کے واقعات مجرمانہ معاملات میں سامنے آتے ہیں، لیکن مظاہرہ کرنے والوں کے ساتھ حراستی ٹارچر

یہ ظاہر کرتا ہے کہ ریاست اپنی طاقت کے بل پر لوگوں کو دبانا چاہتی ہے۔

(۳) بلڈوزر کی کارروائی

ہمارے وطن عزیز بھارت میں "بلڈوزر جسٹس" کے نام سے کی جانے والی کارروائی نے پوری دنیا میں ملک کے وقار کو مجروح کیا ہے۔اپنے جمہوری اور آئینی حق کا استعمال کرتے ہوئے احتجاج کرنے والوں کے گھروں پر پولس انتظامیہ کے ذریعہ بغیر کسی کورٹ کی ہدایت کے بلڈوزر چلانا، ہمارے ملک کی جمہوریت اور آئین پر حملہ کے مترادف ہے۔۲۰۲۲ء کے شروع میں ایک تہوار کے دوران تلوار بردار عناصر نے مسلمانوں کے گھروں اور کاروباری اداروں پر منصوبہ بند حملے کیے،اس کی مثال کھرگون، راجستھان کا شہر کرولی اور جہاں گیر پوری دہلی ہے۔ یہ عناصر رمضان کے دوران مساجد کے سامنے لاؤڈ اسپیکر پر ہنگامہ کرتے ہوئے، مسلمانوں کے محلوں میں داخل ہوئے اور پھر طرفین میں تصادم کا واقعہ پیش آیا۔لیکن پولس نے بدامنی کے لیے مسلمانوں کو یک طرفہ طور سے مورد الزام ٹھہرایا، سیکڑوں بے گناہ مسلمانوں کو گرفتار کیا گیا، جن میں نابالغ بھی شامل تھے،اوران میں سے بعض کے گھروں کو بلڈوزر سے مسمار کردیا گیا۔

اسی طرح نوپور شرما کے ذریعہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت کے بعد یوپی کے کانپور اورالہ آباد میں بھی بلڈوزر کی کارروائی کی گئی اور ایک فرد کی مبینہ غلطی کی سزا اس کے پورے سماج اور گھر کے ہر ممبر کو دی گئی، جس کی قانون میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔اس سلسلے میں گوہاٹی ہائی کورٹ نے اپنے تاریخی فیصلے میں پولس کے اس رویے کو غیر قانونی اور افسوس ناک بتاتے ہوئے کہا کہ اگر تحقیقات کے نام پر کسی کے گھر کو بلڈوز کرنے کی اجازت دی جائے تو کوئی بھی محفوظ نہیں رہے گا، عدالت نے کہا کہ کسی بھی فوجداری قانون کے تحت مکان کو

منہدم کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی" ان مظلوموں کی فریاد لے کر جمعیۃ علماء ہند نے سپریم کورٹ میں ایک مقدمہ بھی دائر کیا ہے، جس کی سماعت جاری ہے۔

(۴) آسام میں انخلا کے مظاہرین پر ظلم وستم

آسام میں مسلم کمیونٹی کی افسوسناک اور تشویشناک صورت حال کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ آسام سرکار کی نگرانی میں ہزاروں لوگوں کو غیر قانونی املاک خالی کرانے کی آڑ میں ان کے گاؤں سے بے دخل کیا جا رہا ہے۔ پولس اور نیم فوجی دستوں کی موجودگی میں ان کے گھروں اور دکانوں کو بلڈوزر سے مسمار کیا گیا اور ان پر مظالم کے پہاڑ توڑے گئے۔ سبھی کو آسام میں رونما ہونے والا وہ سانحہ یاد ہوگا جب ایک شخص کو پولس کے ذریعہ گولی مارے جانے کے بعد ایک صحافی اس کے سینے پر کود رہا تھا، یہ ایک تہذیب اور انسانیت کی شکست اور آئین کی پامالی تھی۔

آسام کی حکومت آئین کے ذریعہ دیئے گئے بنیادی انسانی حقوق یا زندگی اور جائیداد کے بنیادی حقوق کو پامال کرنے سے باز نہیں آرہی ہے۔ حکومت نے صاف اعلان کر دیا ہے کہ بے دخلی کے متاثرین کو حکومت کی طرف سے کوئی معاوضہ یا پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں دیا جائے گا۔ بے دخل کیے گئے بے گھر لوگوں کی تعداد ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑھتی جارہی ہے۔ ان پناہ گزینوں کو بھوک، بیماری، سردی اور غیر صحت مند زندگی کے حالات کی وجہ سے موت کے خطرے کا سامنا ہے۔

حالِ غم ان کو سناتے جایئے
شرط یہ ہے کہ مسکراتے جایئے
شکر یہ لطفِ مسلسل کا مگر
گاہے گاہے دل دکھاتے جایئے

دشمنوں سے پیار ہوتا جائے گا
دوستوں کو آزماتے جایئے

میڈیا کا رویہ

میڈیا جمہوریت کی بقا کا سب سے اہم اور بڑا وسیلہ ہے۔لیکن آج وہ جمہوریت کے لیے سب سے بڑا چیلنج بن گیا ہے، آج میڈیا کی اکثریت جمہوریت کی جڑوں کو کھوکھلا کررہی ہے اور بھارت کی ایک کمزور اقلیت کو مذہبی، سماجی اور قومی معاملات میں بدنام کررہی ہے۔

میڈیا نے کورونا کے دور میں تبلیغی جماعت اور دیگر انفرادی واقعات کو جس طرح ایک قوم کی اجتماعی غلطی کے طور پر پیش کرنے کی کوشش کی ،وہ انتہائی شرمناک ہے،عدالت سے لے کر انسانی حقوق کی تنظیموں تک نے اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔اسی طرح حال میں ایک مسلم لڑکے کے ذریعہ ایک غیر مسلم لڑکی کے قتل جیسے انسانیت سوز جرم کو مسلم شناخت دے کر مسلمانوں کو شیطانی کردار کے طور پر پیش کیا گیا،اس نے سماج کے تانے بانے کو بکھیرنے میں بڑا کردار ادا کیا ہے ،جب کہ سماج کے دوسرے حصے کے لوگوں نے بھی ویسے گھناؤنے کام انجام دیئے تو میڈیا نے خاموشی اختیار کرلی ،لیکن جہاں کسی مسلمان کا نام آیا،اس پر گھنٹوں بحث ومباحثہ کرا کر جمہوریت ،انسانیت اور قومی ہم آہنگی کو سخت نقصان پہنچایا گیا اور لگاتار پہنچایا جارہا ہے۔

ہندوتو اور متحدہ قومیت کے درمیان نظریاتی کشمکش

اقلیتوں ،دلتوں اور خاص کر مسلمانوں پر ہونے والے حملے اور ماب لنچنگ کے واقعات بلاشبہ نہایت افسوس ناک اور ملک کے لیے شرم ناک ہیں۔ان کے

خلاف مختلف سطح پر آواز اٹھائی جارہی ہے اور اٹھائی جانی چاہیے، لیکن ان سے بھی زیادہ جو چیز ہمیں پریشان کررہی ہے وہ ہندوتو کی غلط تشریح اور ہماری دیرینہ متحدہ قومیت کے نظریات کے درمیان نظریاتی ٹکراؤ کی جارحانہ کوشش ہے۔

بھارت، تنوعات اور تکثیری معاشرے کا حامل خوبصورت ملک ہے، اس کی خصوصیات میں سے بڑی خصوصیت تمام افکار واعمال اور مراسم کے حامل لوگوں کو اپنی مرضی کی زندگی گزارنے اور نظریے پر چلنے کی آزادی ہے، اسے بچانے کے لیے گاندھی جی وغیرہ نے ان تھک کوششیں کی ہیں۔ اس سلسلے میں جمعیۃ علماء ہند اور اس کے اکابر کی سعی وجد وجہد بھی بھارت کے ماضی وحال کی سنہری تاریخ کا زریں عنوان ہے، متحدہ قومیت اور ہندو مسلم یک جہتی کا فکر وفلسفہ ان کی عطا کردہ وراثت ہیں۔

اس کے مدمقابل ہندوتو کی موجودہ دور میں جو تشریح کی جارہی ہے اور ہندوتو کے نام پر جس جارحانہ فرقہ واریت کو فروغ دیا جارہا ہے ، وہ ہرگز اس ملک کی مٹی اور خوشبو سے میل نہیں کھاتی۔ ہم یہاں یہ واضح کردینا چاہتے ہیں کہ آر ایس ایس اور بی جے پی سے ہماری کوئی مذہبی یا نسلی عداوت نہیں ہے بلکہ ہمیں صرف ان نظریات سے اختلاف ہے ، جو سماج کے مختلف طبقات کے درمیان برابری ، نسلی عدم امتیاز اور دستور ہند کے بنیادی اصولوں کے خلاف ہیں۔

ہماری نظر میں ہندو اور مسلمان سب برابر ہیں، ہم انسان کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے اور نہ نسلی برتری کو تسلیم کرتے ہیں۔ جمعیۃ علماء کی سدا یہ پالیسی رہی ہے کہ بھارت کے تمام شہری برابر ہیں، ان کے درمیان مذہب کی بنیاد پر کوئی تفریق نہیں ہونی چاہیے۔

ہم جب بھی آر ایس ایس اور اس کے نظریات کی بات کرتے ہیں تو ہمارے

سامنے اس کے ماضی کے سرسنگھ سنچالک گروگولوالکر اوران کی کتاب 'بنچ آف تھاٹ' کے حوالے ہوتے ہیں، حالاں کہ آرایس ایس کے موجودہ قائد کے حالیہ ایسے بیانات جوایک قومی نظریے، متحدہ قومیت اور بھائی چارہ سے کچھ میل کھاتے ہیں ان کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے۔اسلامی تعلیمات کے مطابق دوستی کے لیے بڑھایا جانے والا ہاتھ آگے بڑھ کر مضبوطی سے پکڑا جانا چاہیے۔ہم آرایس ایس اوراس کے سرسنگھ چالک شری موہن بھاگوت جی اوران کے متبعین کوگرم جوشی کے ساتھ دعوت دیتے ہیں کہ آیئے آپسی بھید بھاؤ اور بغض وعناد کو بھول کر ایک دوسرے کو گلے لگائیں اوراپنے پیارے وطن کو دنیا کا سب سے ترقی یافتہ، پرامن، مثالی اور سپر پاور ملک بنائیں۔

باہمی نفرت کے تاریک ماحول میں جولوگ بھی باہمی رشتوں کو استوار کرنے کے لیے ڈائیلاگ اورایک دوسرے کے افکار ونظریات کو سمجھنے کے لیے کوشاں ہیں، ہم ان کا استقبال کرتے ہیں اورایسی تمام کوششوں کی حمایت کرتے ہیں۔ باہمی گفت وشنید ہی تمام مسائل کا حل ہے یا کم ازکم مسائل کو بڑھنے سے روکنے کا ذریعہ ہے، اس لیےاس کا راستہ کبھی بند نہیں ہونا چاہیے۔اپنے بھائیوں اور پڑوسیوں سے قطع تعلق کی اسلام میں ہرگز اجازت نہیں ہے، جمعیۃ کے اکابر نے برادران وطن کے ساتھ دوش بدوش چلنے اور ہر چیلنج کا مقابلہ کرنے کی روش اختیار کی اور جمعیۃ آج بھی اسی روش پر مضبوطی سے قائم ہے۔

موجودہ حالات میں جمعیۃ علماء ہند آرایس ایس اوراس کے رہنماؤں کو متوجہ کرتی ہے کہ وہ اپنے موجودہ بیانات کی روشنی میں عملی اقدامات کریں اور موجودہ حالات میں اپنی ہم نوا جماعتوں کو قائل کریں کہ نفرت اور فرقہ پرستی کی چادر اتار پھینکیں ۔ہمیں سناتن دھرم کے فروغ سے کوئی شکایت نہیں ہے اور آپ کو بھی اسلام کے فروغ سے کوئی شکایت نہیں ہونی چاہیے جیسا کہ سوامی

وویکانند نے کہا ہے کہ:

On the other hand, my experience is that if ever any religion approached to this equality in an appreciable manner, it is Islam and Islam alone... Therefore I am firmly persuaded that without the help of practical Islam, theories of Vedantism, however fine and wonderful they may be, are entirely valueless to the vast mass of mankind. I see in my mind's eye the future perfect India rising out of this chaos and strife, glorious and invincible, with Vedanta brain and Islam body.

ALMORA,
10th June, 1898.

(Written to Mohammed Sarfaraz Husain of Naini Tal)

’’میرا تجربہ ہے کہ اگر کبھی کوئی مذہب انسانی مساوات کی منزل کی قابل لحاظ حد تک پہنچا ہے تو وہ اسلام اور صرف اسلام ہے، میرا قطعی خیال ہے کہ عملی اسلام کی مدد کے بغیر ویدانت کے نظریات خواہ کتنے ہی اچھے اور شاندار ہوں ،عام انسان کے لیے بالکل بے سود ہیں، ہمارے مادر وطن کے لیے دو عظیم نظاموں کا میل ہندومت اور اسلام، ویدانت دماغ اور اسلام جسم، واحد امید ہے، میں اپنے دل کی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ مستقبل کا معیاری بھارت، انتشار وافتراق سے نکل کر، ویدانت دماغ اور اسلام جسم کے ذریعہ کامیاب اور فتح مند ہو رہا ہے‘‘(Letters of Swami Vivekananda صفحہ ۴۲۶)

پیشوایان مذاہب کا احترام

نفرت انگیز اور گستاخانہ بیانات، مضامین ونعرے جو پیشوایان مذاہب کی شان میں لکھے یا لگائے جاتے ہیں، وہ مسلمانوں اور ملک کے دیگر باشعور افراد اور گروہوں کے لیے سوہان روح ہیں۔

مسلمان جو تمام برگزیدہ انسانوں کے احترام کو جزو ایمان سمجھتے ہیں، جب وہ اس ذات اقدس کے بارے میں جس نے تمام پاکبازوں کی حفاظت وناموس کا درس دیا اور کسی بھی خطۂ ملک یا انسانی گروہ میں، جو بھی خدا کا برگزیدہ بندہ ہو، اس کے احترام کو ایمان کا جزو لازم بتایا، مسلمان جب اس معلم شرافت وانسانیت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں گستاخانہ حرکتیں دیکھتے ہیں تو قدرتی طور پر وہ روح فرسا اضطراب اور بے چینی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یقیناً دیگر مذاہب کے متبعین بھی اپنے مقدس پیشواؤں کی توہین آمیزی کے بارے میں ایسا ہی محسوس کرتے ہیں اور ان کی توہین بھی ہمارے لیے ناقابل برداشت ہے۔ اس لیے ایسے قانون کی شدید ضرورت ہے جس سے اس قسم کی فتنہ انگیزیوں کا سد باب ہو اور پیشوایان مذاہب کی عزت وحرمت محفوظ رہے۔

اسی کے ساتھ اس امر کی طرف بھی توجہ ضروری ہے کہ سارے عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجے جانے والے ہمارے رسولؐ کی سیرت وکردار اور انسانیت کے لیے آپ کی خدمات وقربانیوں سے عام لوگوں کو ان کی زبان میں واقف کرایا جائے۔ جب تک آپ نشر واشاعت، تبلیغ اور افہام وتفہیم کے ذریعہ دماغوں کو متاثر نہ کریں گے، محض وضع قانون سے پورا نتیجہ حاصل نہیں ہوگا۔ اہل علم واصحاب قلم اپنی صلاحیتیں ایسے مفید اور مختصر کتابچوں کی تصنیف وتالیف میں صرف کریں اور ایسے مختصر پیغامات بنائیں جنہیں آڈیو یا ویڈیوز کی شکل میں سوشل میڈیا کے ذریعہ

نوجوانوں تک پہنچایا جائے تاکہ پیدا کردہ غلط فہمیوں کا ازالہ کیا جاسکے۔

اسلاموفوبیا

حضرات گرامی قدر !

بھارت میں اسلاموفوبیا بھی سماجی ہم آہنگی کو نقصان پہنچا رہا ہے، یہ کوئی مذہبی عداوت نہیں بلکہ عداوت کو ذہن وفکر پر حاوی کرنے کا نام ہے، جو کبھی نفسیاتی بیماری کی شکل اختیار کرلیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اقوام متحدہ نے باضابطہ ہرسال ۱۵/مارچ کو عالمی اسلاموفوبیا ڈے منانے کا اعلان کیا ہے۔ بھارت میں اسلاموفوبیا کا عروج نہ ہم نے کبھی سوچا تھا اور نہ کبھی اس ملک کے معماروں کے ذہن میں یہ تصور ابھرا ہوگا کہ کثیر التعداد مذاہب کے اس ملک میں کسی ایک مذہب سے متعلق ایسی نفرت پیدا کی جاسکے گی۔

اس کے سدباب کے لیے ضروری ہے کہ نفرت انگیز تقاریر کی غیر مبہم مذمت کی جائے اور قانون اپنا کام کرے۔ اس سلسلے میں آئینی اداروں کی طرف سے یہ کہنا ہرگز کافی نہیں ہے کہ وہ اس سلسلے میں مجبور ہیں، کیا ریاست واقعی بے اختیار و مجبور ہے؟ ہرگز نہیں۔ نفرت انگیز تقریر کو روکنے کے لیے بہت سارے قوانین موجود ہیں۔ تعزیرات ہند کی دفعات 153A، 295A اور 298 ، مذہب اور زبان کی بنیاد پر لوگوں کے مختلف گروہوں کے درمیان دشمنی کو فروغ دینے کے ساتھ ساتھ فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو نقصان پہنچانے والی کارروائیوں کو جرم قرار دیتی ہیں۔ بھارت میں نفرت انگیز تقاریر سے متعلق قوانین کے دائرہ کار کا جائزہ لیتے ہوئے، لاء کمیشن نے مارچ 2017 میں شائع ہونے والی اپنی 267 ویں رپورٹ میں، تعزیرات کے ضابطے کے اندر نئی دفعات متعارف کرانے کی سفارش کی جو موجودہ قوانین کے علاوہ تشدد پر اکسانے والوں کو خاص طور پر سزا دے۔ میری

نظر میں یہ انتہائی ضروری ہے، اس لیے سرکاروں کو متوجہ کیا جاتا ہے کہ وہ باضابطہ ملک میں ایک علٰیحدہ قانون وضع کریں جو اسلاموفوبیا اور نفرتی واقعات و تقاریر کے انسداد کے لیے خاص ہو، اس سے سرکاری مشینری کو کارروائی کرنے میں آسانی ہوگی۔

اس کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ میڈیا کے لیے بھی ایک واچ ڈاگ ہونا چاہیے۔ حالیہ برسوں میں نفرت انگیز تقریروں اور بیانات کو میڈیا اور انٹرنیٹ میں نمایاں طور سے شائع کیا جارہا ہے۔ اقلیتی برادریوں بالخصوص مسلمانوں کے خلاف توہین آمیز تقریر اور میڈیا نیٹ ورکس پر غلط معلومات کی مہم نے ٹرولنگ اور جعلی خبروں کو عوامی گفتگو کا اہم پہلو بنا دیا ہے۔ اقلیت مخالف جذبات کی مسلسل طوفان خیزی کے ساتھ شہریوں کو بے حس کرنے سے، ہماری جمہوریت کے اخلاقی تانے بانے متاثر ہورہے ہیں، ہم اس بڑھتے ہوئے چیلنج سے نمٹنے کے لیے ایک اور دن انتظار نہیں کرسکتے۔

اسی کے مدنظر جمعیۃ علماء ہند نے سال گزشتہ اسلاموفوبیا، تشدد اور نفرتی بیانات کے خلاف باضابطہ جدوجہد کے لیے ایک شعبہ قائم کیا ہے، جس کا مقصد ظلم وستم کا جواب دینے کے لیے، حقوق، انصاف اور امن کے قیام کے لیے حکمت عملی تیار کرنا نیز قانون کی حکمرانی اور انصاف تک رسائی، مساوی حقوق، شہری تحفظ اور انسانی حقوق کو فروغ دینا ہے۔

یہ سچائی ہے کہ یہ جنگ صرف ایک شعبہ قائم کرنے سے آگے نہیں بڑھ سکتی، بلکہ اس کے لیے طویل المیعاد اور کثیر الوسائل جدوجہد کی ضرورت ہے، اس لیے پوری جماعت اور اس کی سبھی اکائیوں کو اس میں شرکت کرنی ہوگی۔ پورے حوصلے کے ساتھ آپ کی جماعت نے ایک مشکل کام اپنے ذمہ لیا ہے اور ان شاء اللہ پورے عزم کے ساتھ اس کے لیے جدوجہد کرنی ہے۔

سدبھاؤنا منچ کا استحکام

محترم اراکین جمعیۃ علماء ہند و زعمائے ملت!

برادران وطن کے درمیان نفرت کو دور کرنے کے لیے اور ایک دوسرے کو قریب لانے کے لیے صرف گفت وشنید ہی کافی نہیں بلکہ ایک ایسے پلیٹ فارم کی ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی ہے جہاں مختلف قوموں اور برادریوں کے لوگ سماجی سطح پر ایک دوسرے کے ساتھ مل کر بیٹھ سکیں، اسی سوچ کے تحت جمعیۃ علماء ہند نے سدبھاؤنا منچ کے قیام کا فیصلہ کیا تھا۔ اس منچ کے تحت تا حال ملک کے طول وعرض میں تقریباً دوسو کانفرنسیں منعقد ہو چکی ہیں، جن میں الحمدللہ مختلف مذاہب کے رہ نماؤں کے ساتھ ان کے عوام نے بھی شرکت کی۔ ان کانفرنسوں میں گئوکشی، لاؤڈ اسپیکر کے استعمال اور مقامی مذہبی تنازعات کے علاوہ ماحولیات کے تحفظ، شجر کاری، پانی کے استعمال میں احتیاط اور صفائی جیسے اہم مسائل کو مشترکہ جدوجہد کا موضوع بنایا گیا ہے۔

یہ ایسے مسائل ہیں جن کا سماج کے ہر طبقے کو سامنا ہے، اس لیے ان کو لے کر مشترکہ جدوجہد وقت کی اہم ترین ضرورت ہے، ہماری یہ تحریک، جماعتی تحریک سے زیادہ ایک وطنی اور قومی تحریک ہے۔ جس کے ذریعہ ہم برادران وطن سے قریب ہوں گے اور مشترکہ ماحول کے ذریعہ نفرت پیدا کرنے والے عناصر کی سرگرمیوں کا ایک مثبت جواب دے سکیں گے۔

جمعیۃ علماء کے ذمہ داروں سے یہ اپیل کی جاتی ہے کہ وہ اس تحریک کو مستحکم کریں اور اپنے اپنے علاقوں میں جمعیۃ سدبھاؤنا منچ کی کمیٹیاں تشکیل دیں۔ ہمیں امید ہے کہ جمعیۃ کے کارکنان موجودہ حالات میں اسے ضروری سمجھیں گے اور اس سلسلے میں ہر ممکن جدوجہد کریں گے۔

یکساں سول کوڈ

معزز حاضرین!

یکساں سول کوڈ کا مسئلہ نیا نہیں ہے، یہ مسئلہ بار بار اٹھایا جا چکا ہے اور جمعیۃ علماء ہند نیز دیگر مسلم جماعتوں، اداروں اور معزز و بااثر علماء و سیاسی زعماء کے ردِّ عمل کے بعد کچھ دنوں کے لیے سرد خانہ میں ڈال دیا جاتا ہے۔

موجودہ حکومت نے اپنے بیان کے ذریعہ ایک بار پھر صاف کر دیا ہے کہ ۲۰۲۴ء میں الیکشن لڑنے کے ایجنڈا کے تحت ملک میں یکساں سول کوڈ جلد نافذ کیا جائے گا، انھوں نے یہ عمل اس بار ریاستوں سے شروع کیا ہے، جس کی پہلی تجربہ گاہ اتراکھنڈ اور مدھیہ پردیش ہیں۔ یکساں سول کوڈ پر اب تک کی بحثوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت مسلم پرسنل لا کو ختم کر دینا چاہتی ہے اور اس کی جگہ اپنے منشا کے مطابق قانون نافذ کرنا چاہتی ہے۔ ایسے میں ضروری ہے کہ صورتِ حال کا پوری بصیرت کے ساتھ جائزہ لے کر مؤثر قدم اٹھایا جائے اور حکومت ہند سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ اس ذہن کو تبدیل کرے اور مسلمانوں کے موقف کو سنجیدگی کے ساتھ سمجھے اور ان ارادوں سے باز آ کر مسلمانوں کے مذہبی حقوق کے تحفظ کا غیر مبہم اور واضح الفاظ میں اعلان کرے۔

جدید تعلیمی پالیسی اور تعلیم کا بھگوا کرن

حضرات گرامی قدر !

جدید تعلیمی پالیسی کا ایک مقصد مکمل نصاب اور درس و تدریس کو ثقافت، روایات، ورثے، رسم و رواج، زبان، فلسفہ اور جغرافیہ کے لحاظ سے بھارتیہ اور مقامی سیاق و سباق اور اخلاقیات سے وابستہ کرنا ہے۔ اس کا ایک دوسرا پوشیدہ مقصد تعلیم کو ایک مخصوص طرز فکر میں ڈھالنا بھی ہے۔

ایسا نہیں ہے کہ یہ محض خدشہ ہے بلکہ گزشتہ چند سالوں میں سرکار نے نصاب اور تاریخ کی کتابوں اور مواد میں جس تیزی سے تبدیلی کی ہے، وہ اس خدشے کو مزید تقویت پہنچاتی ہے۔ابھی کچھ ماہ قبل گجرات حکومت نے اعلان کیا کہ بھگوت گیتا کو اسکول کے نصاب کا حصہ بنایا جائے گا۔طلبہ کو گیتا کے اشلوکوں کو یاد کرانے کے علاوہ ان کی مشہور تشریحات سے واقف کرایا جائے گا۔اس فیصلے میں کسی دوسرے مذہبی صحیفے کا ذکر نہیں ہے جو نصاب میں شامل ہو سکتے ہیں۔ہم بھگوت گیتا کی تعلیم دیے جانے کے خلاف نہیں ہیں، لیکن معصوم بچوں کے ذہن پر زبردستی کسی اور مذہب کو تھوپنا ہر گز درست نہیں ہے اور نہ آئین اس کی اس کی اجازت دیتا ہے۔

اسی طریقے سے سی بی ایس ای کے ذریعہ گیارہویں کی تاریخ کی کتاب سے ''اسلام کا آغاز و عروج'' باب حذف کرنے کا فیصلہ اور سال گزشتہ ایک سرکاری پینل کے ذریعہ موپلہ مجاہدین کے ناموں کا مجاہدین آزادی کی ڈکشنری سے اخراج کا مشورہ انتہائی فرقہ پرستانہ سوچ پر مبنی ہے۔جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ جدید تعلیمی پالیسی کے علم برداروں نے بھارتیہ کلچر کو فروغ دینے کے نام پر کس کلچر کو فروغ دینے کی کوشش کی ہے۔اس تناظر میں جمعیۃ علماء ہند بلا لحاظ مذہب وملت تمام انصاف پسند اور سیکولر عناصر سے اپیل کرتی ہے کہ اپنے بچوں کے معصوم ذہنوں کو مذہبی تعصب کی آلودگی سے بچانے کے لیے ہر ممکن اقدام کریں اور جدید تعلیمی پالیسی کی آڑ میں چلائی جانے والی ایسی منفی مہم کا سد باب کریں۔

دینی اور عصری تعلیم وقت کی سب سے اہم ضرورت

برادران اسلام!

اسلام مذہبی تعلیم کو ہر مسلمان پر فرض قرار دیتا ہے تاکہ وہ اسلامی تعلیمات

پر عمل درآمد کرسکیں، اس لیے بچوں کو بنیادی دینی تعلیم سے آراستہ کرنا ہمارا مذہبی فریضہ ہے۔ اگر ہمارے بچے اسلامی عقائد، عبادات اور معاملات کے بارے میں اسلامی تعلیمات سے واقف نہ ہوں گے تو ان کو گمراہی اور ارتداد سے بچانا ممکن نہ ہوگا۔ اسی تناظر میں ہمارے اکابر نے آزاد بھارت میں مکاتب کا جال بچھایا اور جمعیۃ علماء ہند آج بھی دینی مکاتب کے قیام اور استحکام کو اپنے تعمیری پروگرام میں اولین درجہ دیتی ہے۔

موجودہ حالات میں یہ اور بھی ضروری ہوگیا ہے کہ جگہ جگہ مکاتب قائم کیے جائیں، جہاں ہر گھر کا بچہ زیر تعلیم ہو اور اسکولوں میں پڑھنے والے بچوں کے لئے دینی تعلیم کا خصوصی نظم ہو۔

آج کے دور میں دینی مدارس کے طلبہ کو عصری تعلیم مہیا کرانا بھی ایک اہم مسئلہ ہے، ہماری کوشش ہے کہ مدارس کے نظام کو متاثر کئے بغیر ہم طلبہ کو کم ازکم ثانوی درجہ کی تعلیم ضرور مہیا کرائیں، سائنس، جدید زبانوں اور ریاضی کے بغیر طلبہ فارغ ہونے کے بعد دور جدید کے مسائل کو حل نہیں کرسکتے اور وہ اپنی دینی اور دنیوی ذمہ داریوں کو پوری طرح نہیں نبھا سکتے، اسی کے مدنظر جمعیۃ علماء ہند نے مدارس اسلامیہ میں این آئی او ایس کے ذریعہ ثانونی تعلیم مہیا کرانے کی تحریک شروع کررکھی ہے اور الحمدللہ ہزاروں کی تعداد میں مدارس کے طلبہ مستفید ہورہے ہیں۔

یادرکھیں کہ ہماری تمامتر دینی اور دنیوی ترقی کا دار و مدار تعلیم پر ہے، مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنے دیگر مصارف میں کٹوتی کرکے اپنے بچوں کی تعلیم پر صرف کریں ۔ ہمارے مدارس میں جو کہ ہمارے تعلیمی ڈھانچے کی بنیاد ہیں، عصری تعلیم مہیا کرانے کی کوشش کے ساتھ ساتھ اسکولوں اور کالجوں میں طلبہ کی حسن کارکردگی کے لیے والدین کے ساتھ ساتھ تمام فلاحی اور تعلیمی تنظیموں

اور اداروں کو قلیل مدتی منصوبہ بنا کر اور ہدف متعین کر کے اپنا پورا سرمایہ اور طاقت لگانی چاہیے۔

تعلیم نسواں کے حوالے سے بھی ہم بہت پیچھے ہیں، لڑکیوں کے لیے مخصوص ادارے نہ ہونے کے باعث یا تو ہماری لڑکیاں تعلیم سے محروم رہ جاتی ہیں یا انھیں مخلوط اداروں میں جانا پڑتا ہے جس کی وجہ سے ان کی اخلاقی اور دینی زندگی پر برا اثر پڑتا ہے۔اس کے تدارک کے لیے فوری عملی اقدامات کی ضرورت ہے۔لیکن فی الحال والدین کو حوصلہ نہیں ہارنا چاہیے اور اسلامی تعلیمات کا لحاظ رکھتے ہوئے ان کی تعلیم کا پورا بندوبست کرنا چاہیے۔

ایک اہم بات تعلیم کے اصل مقصد کے بارے میں توجہ طلب ہے اور وہ یہ کہ تعلیم محض کمانے اور سرکاری نوکری کے حصول کا ذریعہ نہیں ہے۔ بلکہ ایسی تعلیم بے کار اور بے معنٰی ہے۔ہمیں اپنی نسل کو ایسی تعلیم سے آراستہ کرنا ہے جو اخلاقی، روحانی اور مادی ہر لحاظ سے ترقی کی ضامن ہو اور سچے محبّ وطن، دین دار اور ملک وملت کے پاسبان پیدا کرے۔

اسلامی تعلیمات سے متعلق غلط فہمیوں کا ازالہ

علماء کرام !

ہمارے فرائض میں سے سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ اہل وطن کے درمیان، اسلامی تعلیمات کے سلسلے میں جو غلط فہمیاں پھیلائی جارہی ہیں، ہم ان کے فوری طور سے ازالہ کی راہ تلاشیں۔آپ اس سے بخوبی واقف ہیں کہ دور حاضر میں مذہب اسلام کے بارے میں جس منصوبے کے تحت غلط فہمیاں پھیلائی جارہی ہیں، اس کا اثر نہ صرف انصاف پسند غیر جانب دار طبقے پر ہوتا ہے، بلکہ ہماری نئی نسل بھی متاثر ہورہی ہے۔ یہ غلط فہمیاں خاص کر دہشت گردی، شدت پسندی اور خواتین کے ساتھ غیر منصفانہ سلوک

کے سلسلے میں پیدا کی جارہی ہیں۔دین وایمان کے تحفظ اور ملت اسلامیہ کی نسل نو کو اس پر ثابت وقائم رکھنے کے لئے ان غلط فہمیوں کا ازالہ ضروری ہے۔میڈیا کے غلبہ کے اس دور میں، میڈیا کے ذریعے اسلامی احکام وعقائد وقوانین کے خلاف پروپیگنڈہ اور اسلامی تحریکات کی کردارکشی کی مہم کا مؤثر جواب دیا جانا ضروری ہے، نیز پیدا کردہ شکوک و شبہات کا آج کے اسلوب اور پیرائے میں جواب دیا جانا چاہئے اور اس کے لیے سوشل میڈیا سے بڑا کوئی مؤثر وسیلہ نظر نہیں آرہا ہے۔اس سلسلے میں فوری طور سے تین کام کرنے کی ضرورت محسوس ہورہی ہے:

(۱) سوشل میڈیا کے ذریعہ ایسے پیغامات ویڈیو کی شکل میں تیار کرنا اور انہیں نشر کرنا جو اسلام اور مسلمانوں کے محاسن کو اجاگر کریں۔

(۲) جدید تعلیم یافتہ ذہنوں میں پرورش پارہے الحادی افکار کی اصلاح کے لیے ان کے مزاج سے ہم آہنگ مواد جمع کرنا اور موقع بموقع ورکشاپ کرنا۔

(۳) سیرت کے عنوان سے اسلامی کوئز منعقد کرنا اور اس میں سبھی مذاہب اور طبقات کے طلبہ کو شامل کرنا۔

آج کے اجلاس میں بالخصوص جمعیۃ علماء کے ذمہ داروں اور بالعموم مدارس اسلامیہ، تنظیموں اور تحریکوں کے ذمہ داروں سے عاجزانہ التماس ہے کہ وہ اس سلسلے میں خصوصی بیداری کا مظاہرہ کریں اور دین اسلام کی خدمت کے سلسلے میں جو مقام اللہ تعالیٰ نے مرحمت فرمایا ہے، اس کے ساتھ انصاف فرمائیں۔

پسماندہ مسلمانوں کا مسئلہ

حضرات گرامی قدر!

بھارت کے مسلم سماج میں جو بگاڑ پیدا ہوئے، ان میں اہم ترین ذات پات کا نظام ہے، گوکہ اسلام کی واضح تعلیمات مساوات اور نسلی عدم تفریق پر مبنی

ہیں، لیکن جن لوگوں نے مذہب اسلام کو اختیار کیا، وہ اپنے آپ کو ذات پات کے پرانے نظام اور رسم و رواج سے پوری طرح آزاد نہ کر سکے، جس کی بنا پر بھارتیہ مسلم معاشرہ تضاد کا شکار رہا ہے، ایک طرف قرآن پاک کی واضح تعلیم:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ

''لوگو! ہم نے تم سب کو ایک (ہی) مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور اس لئے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو کنبے قبیلے بنا دیئے ہیں، اللہ کے نزدیک تم سب میں با عزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے یقین مانو کہ اللہ دانا اور باخبر ہے۔'' (الحجرات:13)

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا حجۃ الوداع کے موقع پر خطاب **یا ایھاالناس، ان ربکم واحد و ان اباکم واحد الا لافضل لعربی علی عجمی و لالعجمی علی عربی ولااحمر علی اسود ولا اسود علی احمر الا با لتقویٰ۔**

'لوگو! تمہارا رب ایک ہے، تمہارا باپ (آدم) ایک ہے، سنو کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں نہ کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت حاصل ہے، کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں، سوائے تقویٰ کے۔'' (مسند احمد:4568)

اور صحابہؓ کا معاشرتی نظام اور صدیوں سے علمائے اسلام، صوفیا و مبلغین کی ذات پات کے نظام کو ختم کرنے کی کوشش ہے اور دوسری طرف بھارت کے اکثریتی سماج میں پائی جانے والی نسلی تفریق اور اشراف و ارذال کا تصور ہے جس سے مسلم معاشرہ بھی آزاد نہ ہو سکا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ برادران وطن کی طرح نسلی تفریق کا شکار ہے اور اس کی پسماندگی کو دور کرنے کے لیے ریزرویشن جیسے اقدام کی سخت ضرورت ہے، لیکن پسماندگی اور اشراف وارذال کے سوال پر مسلمانوں کے درمیان تفریق ہرگز درست نہیں ہے۔

البتہ مسلمانوں میں دلت اور پسماندہ برادریوں کی زمینی حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے آج کے اجلاس عام کے موقع پر ہم یہ اعلان کرنا چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کا ہر ایک طبقہ مسلم سماج میں برابری کی حیثیت رکھتا ہے اور ماضی میں جو زیادتیاں ذات پات کے نام پر ہوئی ہیں، ان پر ہمیں شرمندگی ہے اور اسے دور کرنے کے لیے ہم عہد کرتے ہیں کہ ہم مسلمانوں میں معاشی، سماجی، تعلیمی ہر زاویے سے مساوات قائم کرنے کی ہر ممکن کوشش بروئے کار لائیں گے اور پسماندہ مسلمانوں کو خصوصی مراعات، ریزرویشن اور سرکاری اسکیمیں دلانے کے لیے ہر ممکن جدوجہد کریں گے۔

اس موقع پر ہم مسلمانوں کو باہمی تفریق کی کوششوں سے باز رہنے اور سماج کے ہر طبقے کو اسلام کے مساوات کے نظریے پر مضبوطی سے کاربند رہنے کی دعوت دیتے ہیں۔ ہم امید ظاہر کرتے ہیں کہ سرکار عملی طور پر اقدام کر کے ان مظلوم اور غریب طبقات کی ہر ممکن مدد کرے گی اور ان کے سلسلے میں مذکورہ بالا کمیشنوں نے جو سفارشات کی ہیں، ان کو جلد بروئے کار لائے گی۔

ملک کی معاشی صورت حال اور غربت میں اضافہ

حضرات گرامی قدر!

ملک کی معاشی صورت حال اور مہنگائی میں اضافہ سے ملک کا غریب طبقہ سب سے زیادہ پریشان ہے۔ یہ کہنا کہ بھارت میں معاشی بحران کووڈ کی وجہ

سے ہے، بالکلیہ طور پر درست نہیں ہے بلکہ اس کی ابتدا سنہ 2016 میں کرنسی پر پابندی (نوٹ بندی) سے شروع ہوئی تھی اور پھر جی ایس ٹی کے تحت جو نیا ٹیکس نظام نافذ کیا گیا اس نے مزید اثر ڈالا اور پھر جو باقی بچا تھا، اسے کورونا کی صورت حال نے تباہ کر دیا۔ ملک میں معیشت کی بربادی کے اسباب میں بیروزگاری بہت ہی بنیادی فیکٹر ہے۔ آج بیروزگاری کی شرح 7.8 فی صد ہے جو پچھلے پینتالیس سالوں میں سب سے زیادہ ہے۔ اس کے علاوہ بڑھتی مہنگائی، آمدنی میں کمی، پرائیویٹ سیکٹر میں گراوٹ، بھارتیہ کرنسی کی قیمت میں تنزلی اور اسٹارٹس اپ کی ناکامیاں بھی اہم وجوہات ہیں۔

تھِنک ٹینک 'پیپلز ریسرچ آن انڈیاس کنزیومر ایکونومی' (پی آر آئی سی ای) نے ایک رپورٹ جاری کی ہے، جس کے مطابق سنہ 2015 اور 16 کے پہلے دور کے مقابلے میں سال 2020 اور 21 کے دوران بیس فیصد غریب عوام کی آمدنی میں تقریباً 53 فیصد کی گراوٹ درج کی گئی ہے۔ بھارت میں نوے کے عشرے میں آزادانہ معاشی پالیسیوں کے نفاذ کے بعد سے ہر برس غریب طبقے کی آمدنی میں اضافہ اور غربت میں کمی درج کی جاتی رہی ہے۔ یہ پہلا موقع ہے کہ غربت میں اضافہ ہوا ہے۔

مختلف رپورٹوں میں یہ حقیقت سامنے آئی ہے کہ ملک میں کووڈ کے دوران اور بعد میں چار سو تین ملین سے زائد افراد نے ملازمت کھودی اور ستانوے فی صد بھارتیوں کی اوسط آمدنی کم ہوگئی، اسے ختم کرنے کے لیے ۲۰۳۰ء تک نوے ملین اضافی ملازمتوں کی ضرورت ہوگی۔ دوسری سب سے اہم بات یہ ہے کہ ملک کی ترقی کا فائدہ کچھ مخصوص طبقوں تک پہنچ رہا ہے۔ عالمی عدم مساوات رپورٹ 2022 کے مطابق بھارت کی 64 فی صد دولت پر صرف دس فی صد لوگوں کا تسلط ہے۔ مہنگائی اور غربت کے خاتمے کے لیے ضروری ہے کہ حکومتیں تمام طبقات کی خوشحالی بالخصوص

تحفظ، ترقی اور ملازمتوں کے میدان میں یکساں مواقع فراہم کریں۔ ایسے اقتصادی ترقی کے متبادل، جامع اور پائیدار ماڈلز کی نشاندہی کرنے کی ضرورت ہے جن میں منافع اور کارکنوں کی فلاح و بہبود کو بیک وقت آگے بڑھایا جا سکے۔

مسلمانوں کی اقتصادی صورت حال

مختلف اقتصادی سروے اور کمیشنوں سچر کمیٹی، رنگاناتھ مشرا کمیشن وغیرہ کی رپورٹوں سے یہ امر ثابت شدہ ہے کہ مسلمان تعلیمی و اقتصادی طور پر سب سے پسماندہ، کمزور اور دلتوں سے بھی ایک درجہ نیچے ہیں۔ ہماری بیس فی صد آبادی کی اس درجہ ابتری کے باوجود ملک معاشی اور اقتصادی طور پر کیسے ترقی کر سکتا ہے اور ہم بین الاقوامی سطح پر کیسے طاقت ور بن سکتے ہیں، ہماری سرکار اور اقتصادی پالیسی سازوں کو اس پر غور کرنے کی فوری ضرورت ہے، یہ مسلمانوں کا نہیں بلکہ ملک کا مسئلہ ہے۔ خدارا تعصب کی عینک اتار کر ملکی مفاد کے نظریے سے اس مسئلے پر غور کیجیے۔

گو کہ مسلمان تعلیمی اور اقتصادی طور پر پسماندہ ضرور ہیں، لیکن ملکی معیشت میں، اقتصادی پیداوار اور آمدنی میں خاص کر غیر ملکی کرنسی کی کمائی میں، ان کا حصہ، ان کی آبادی کے اعتبار سے دوسری قوموں کے مقابلے میں کسی بھی طرح کم نہیں ہے، حالاں کہ تعصب کے باعث انھیں کسب معاش کے زاویے سے ناکارہ ثابت کرنے کی عام طور پر کوشش کی جاتی ہے۔ اقتصادی رپورٹ کے مطابق ہندستان صرف مشرق وسطیٰ سے تقریباً چھ بلین ڈالر غیر ملکی کرنسی ہر ماہ حاصل کرتا ہے۔ اس میں ستر فی صد سے زیادہ غریب مزدوروں کے خون پسینے کی کمائی ہے اور اس میں مسلمانوں کی اکثریت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ نیز داخلی طور پر دستکار، صنعت کار اور مزدور پیشہ افراد میں مسلمانوں کی بڑی تعداد صنعتی پیداوار میں

بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔اس کے باوجود اقتصادی پالیسی میں ان کو سال بہ سال نظر انداز کیا جاتا رہا ہے۔اس کے علاوہ جو بھی سرکاری اسکیمیں مسلمانوں کو شامل کرتی ہیں، ان کا فائدہ کچھ تو لاعلمی کے باعث اور کچھ افسران کے تعصب کے باعث مسلمانوں کو نہیں پہنچ پاتا۔

ہم سرکار اور اقتصادی پالیسی سازوں سے درخواست کرتے ہیں کہ اقتصادی پالیسی یا بجٹ پیش کرتے ہوئے ملکی مفاد کے نظریے کو فوقیت دیتے ہوئے اقلیتوں، دلتوں اور مسلمانوں کے لیے مناسب حصہ مقرر کریں تا کہ ملک متوازن ترقی کر سکے۔

اسی کے ساتھ کچھ مخصوص صنعتیں اور علاقے جن میں روایتی طور پر مسلمان عرصے سے سرگرم عمل رہے ہیں جیسے کہ کانپور میں چمڑے کی صنعت، علی گڑھ میں تالے کی صنعت، مرادآباد میں پیتل کی صنعت، بنارس اور مشرقی یوپی میں بنکاری کی صنعت ، مرزاپور میں قالین کی صنعت ، بھاگلپور میں ریشم کے کپڑے کی صنعت، چنئی میں کپڑے اور چمڑے کی صنعت، ان صنعتوں اور علاقوں کو مختلف سطح پر تعصب کا نشانہ بنایا جارہا ہے۔فضائی آلودگی وغیرہ سخت قانون کے حوالے سے ان کو اس قدر پریشان کیا جارہا ہے کہ ان کے لیے اپنی صنعتوں کو باقی رکھنا ناممکن ہوگیا ہے۔سچ تو یہ ہے کہ انسپکٹر راج جسے بڑی مشکل سے ختم کیا گیا تھا دوبارہ واپس آگیا ہے اور صنعت کار رشوت خوری اور افسران کے جبر و استحصال کا شکار بن رہے ہیں۔جی ایس ٹی کے معیشت پر منفی اثرات اپنی جگہ ہیں جس کا شکار صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ پورے ملک کی معیشت اور صنعت بن رہی ہے،لیکن سب سے زیادہ کمزور اور پسماندہ ہونے کے ناتے مسلمانوں کو زیادہ بھگتنا پڑ رہا ہے۔

اسی کے ساتھ ہم مسلمانوں سے بھی اپیل کرتے ہیں کہ وہ اپنے نوجوانوں کو زیادہ سے زیادہ کاروباری ٹریننگ دے کر نوکری اور ملازمت کے بجائے اپنے

پیروں پر کھڑا کرنے کی کوشش کریں تاکہ وہ صرف نہ خود اپنے لیے کارآمد ہوں بلکہ ملک کے سامنے درپیش بے روزگاری کے چیلنج کو کم کرتے ہوئے دوسرے لوگوں کو ملازمت دینے کا ذریعہ بنیں۔

بھارت کی خارجہ پالیسی

کسی بھی ملک کی عالمی سطح پر عزت ووقار اور پوزیشن کا انحصار عام طور پر اس بات پر ہوتا ہے کہ اس نے داخلی سطح پر کیا کام کیا ہے۔ اگر داخلی سطح پر آپ کا کردار اور آپ کی محنت اچھی نہیں ہے تو دنیا کے سامنے کوئی بھی موقف مستحکم طریقے سے نہیں رکھا جاسکتا اور نہ آپ کی بات کی کوئی حیثیت ہوگی۔ آج بھارت دنیا میں سب سے بڑی جمہوریت ہے تو اس کا کردار بھی بلند ہونا چاہیے، لیکن حال میں اکانمسٹ میگزین کی اکانومک انٹیلی جینٹس یونٹ نے اپنی ریسرچ میں بتایا ہے کہ بھارت دو درجہ مزید نیچے جا کر ۵۳/ویں مقام پر پہنچ گیا ہے۔ ڈیما کریٹک انڈیکس میں بھارت کے گرنے کا یہ بھی نقصان ہے کہ دنیا کی انویسٹ کرنے والی کمپنیاں یہاں کی مارکیٹ سے دوری بناتی ہیں، جو ملک کی معیشت کے لیے بھی نقصان دہ ہے۔ اسی طریقہ سے گلوبل ہنگر اِیڈیکس میں بھی بھارت دنیا کے ایک سوسولہ ممالک میں 101 نمبر پر ہے۔ اپنے شہریوں کی آزادی کے معاملے میں بھی بھارت کا مقام لگاتار گرتا جارہا ہے، سویڈن کے وی ڈی انسٹی ٹیوٹ نے اس پر روشنی ڈالی ہے۔

حیرت کا مقام تو یہ ہے کہ حکومت ہند ان تمام رپورٹوں کے جائزے کے بجائے، انھیں خارج کرنے پر محنت کرتی ہے۔ دنیا کے ایسے بہت سارے ممالک ہیں جنھوں نے معاشی گراوٹ کے ساتھ ساتھ اقلیتوں کے معاملات کو لے کر بھی حکومت ہند کو متنبہ کیا ہے، لیکن ہماری حکومت کی مکمل توجہ ان کو اپنا

معاند ومخالف بتانے پر صرف ہوتی ہے۔ حالاں کہ ہمارا وطن بین الاقوامی سطح پر ایک عالمی لیڈر بننے کی صلاحیت رکھتا ہے، لیکن ابھی تک وہ اپنے خطے میں بھی لیڈر شپ کی پوزیشن بنانے میں کامیاب نہیں ہو سکا ہے۔ انسانی حقوق کے معاملے میں ایشیا کے کئی ممالک کا ریکارڈ کافی خراب ہے، لیکن حکومت ہند نے آج تک ان کو متنبہ نہیں کیا ہے، ان میں پڑوسی ملک برما اور چین بھی شامل ہیں ۔ اگر کسی ملک کو لیڈر بننا ہے تو اسے انسانی حقوق کے معاملات میں نہ صرف اپنا کردار بہتر کرنا پڑے گا بلکہ دنیا کے دوسرے ممالک کے ساتھ بھی ایسے معاملات پر مذاکرات کرنے پڑیں گے۔

جمعیۃ علماء ہند حکومت کو متوجہ کرتی ہے کہ وہ بین الاقوامی سطح پر ملک کی نیک نامی کے لیے اندرونی اور خارجی سطح پر اقدامات کرے، بالخصوص انسانی حقوق، اقلیتوں کے مسائل وغیرہ کو فوری طور سے حل کرے۔ اس سلسلے میں جمعیۃ علماء ہند اپنے وطن کی سربلندی کے لیے اپنے حصے کا کردار ادا کرنے کو تیار ہے۔

ماحولیات کا تحفظ

انسان کا تعلق کسی بھی معاشرے، طبقے یا مذہب سے ہو، بلا تفریق مذہب و نسل ایک اچھی اور صحت مند زندگی کے لئے صفائی ستھرائی لازمی ہے۔ دنیا کے تمام مذاہب اور قدیم ترین تہذیبیں خصوصیت سے صفائی پر زور دیتی رہی ہیں۔ اگر اسلامی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو صفائی نصف ایمان کا درجہ رکھتی ہے۔

خود کی صفائی، اپنے گھر اور گھر کے باہر والے حصے کی صفائی ہماری اجتماعی اور انفرادی ذمہ داریوں میں شامل ہے۔ اپنا کام دوسروں پر یا حکومت کے بھروسے چھوڑنے کے بجائے ہمیں خود کرنا چاہیے۔ اگر ہم سب اپنی ذمہ داری کو سمجھیں گے تو ہمارے گردونواح کا ماحول صاف ستھرا اور صحت بخش ہوسکتا ہے۔

ائمۂ مساجد، مقررین اور بااثر افراد کی یہ اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ اس پیغام کو عام کریں کہ گندگی صرف گندگی نہیں، ہزاروں وبائی امراض کی جڑ ہے۔

اسی طرح ہوائی آلودگی ساری دنیا کے لیے مصیبت بنی ہوئی ہے، اس آلودگی کی وجہ خاص طور سے انڈسٹری، آٹوموبائل اور گھریلو ایندھن ہیں۔ اس لیے انسانی بقاء کے لیے صاف ستھری ہوا اور پودے نہایت ضروری ہیں۔ اسی طرح پانی قدرت کا حسین تحفہ ہے جو نہ صرف انسانوں کے لیے مخصوص ہے بلکہ دنیا کی ساری مخلوق کی حیات اس سے وابستہ ہے۔ احادیث کریمہ میں پانی کے اسراف سے واضح طور پر منع کیا گیا ہے چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں! اگر تم بہتی ندی پر بھی ہو تو وضو میں اسراف نہ کرو۔ زیادہ پانی نہ بہاؤ۔ (ابن ماجہ کتاب الطہارۃ) اسی طرح پانی کا تحفظ آج کے دور میں عالمی تحریک بھی بن گئی ہے۔ اس لیے ہمیں یہ جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ ہم اپنی زندگی میں پانی کے اسراف سے کس طرح بچیں، بالخصوص مذہبی اداروں کو مثالی کردار پیش کرنا چاہیے، مسجدوں اور عبادت گاہوں میں ایسا سسٹم اپنانا چاہیے کہ بلاضرورت پانی کا اخراج نہ ہو۔ نیز مذہبی پیغامات میں شجرکاری، پانی کا تحفظ، محلوں کی صفائی ستھرائی کو خاص طور پر شامل کرنا چاہیے۔

اصلاح معاشرہ

دنیا کے تمام مصلحین، مجددین اور انبیاء علیہم السلام نے معاشرہ کی بگڑی ہوئی حالت کو سدھارنے کے لئے اپنے اپنے دور میں اصلاحی خدمات انجام دیں اور نوع انسانی کی بقاء اور صلاح وفلاح کے لئے اپنی ساری کوششیں صرف کردیں بالخصوص سید المرسلین خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام اور دعوت واصلاح میں آپ کی ہمہ گیر اور جامع کوششیں سب سے بڑھی ہوئی ہیں۔ آپ نے ایک جاہل وناخواندہ قوم کو جو تہذیب وتمدن کے نام سے ناآشنا تھی قتل

وغارت گری جس کا شیوہ تھا، بچیوں کو زندہ درگور کردینا جس کے لئے ایک معمولی بات تھی، ایسی قوم میں ۲۳ رسال کی قلیل مدت میں معاشرتی انقلاب برپا کردیا۔

لیکن صد افسوس آج یہ امت، غیر اسلامی رسوم، اسراف اور فضول خرچی کی وجہ سے تنزلی کی شکار ہے۔ بھارت کے بہت سے علاقوں میں تلک جیسی غیر شرعی رسمیں پائی جاتی ہیں، ان رسوم بد کی بنا پر بہت ساری کنواری لڑکیاں بغیر نکاح کے بیٹھی ہوئی ہیں اور اپنے غریب والدین کے لئے سوہان روح بنی ہوئی ہیں، بہت سی لڑکیاں حرام کاری اور ارتداد میں پھنس کر دنیا وآخرت برباد کررہی ہیں اور مال وزر کے لالچی یہ سگانِ دنیا، ان بہن بیٹیوں پر رحم کھانے کو تیار نہیں ہیں۔

یہ مسرفانہ رسوم عام طور پر اقتصادی تباہ حالی کی باعث بنتی ہیں، آج ہمارے اقتصادی پروگرام میں جن چیزوں کو اولیت ملنی چاہیے، وہ پیچھے چلی گئیں اور ان کی جگہ بے سود اور غیر ضروری چیزوں نے لے لی۔ محض شادیوں میں جو فضول خرچی ہوتی ہے، اگر اس کا تجزیہ کیا جائے تو اس سے لاکھوں ایسے خاندان ہیں جو قرض کے بوجھ میں دب جاتے ہیں اور ان کے اقتصادی حالات ناگفتہ بہ ہوجاتے ہیں، آپ یہ جان کر حیران ہوں گے کہ این سی ای یو ایس (قومی کمیشن برائے غیر منظّم سیکٹر میں انٹر پرائزز) کی رپورٹ کے مطابق ملک میں مسلمانوں کی 84 فی صد آبادی کی یومیہ آمدنی پچاس روپے بھی سے کم ہے، لیکن اس کے باوجود ملک کے زیادہ تر مسلمان شادی میں اپنی حیثیت سے زیادہ خرچ کرتے ہیں۔ اس سے زیادہ قیمتی چیز جو ماں باپ اپنے بچوں کو دے سکتے ہیں وہ تعلیم ہے، لیکن یہ امت بچیوں کی تعلیم کے بجائے ان کے جہیز پر خرچ کرتی ہے اور وہ بھی اس قدر کہ اگر ان پیسوں کو تعلیم پر خرچ کیا جائے تو ہزاروں بچیاں تعلیم سے آراستہ ہوسکتی ہیں۔

قوموں کی ترقی وزوال میں اقتصادیات کا بہت بڑا کردار ہے۔ اگر آج ہم

یہاں اپنی معاشرتی زندگی کے تجزیہ کے لیے بیٹھے ہیں، تو آج ہی ہمیں یہ سوچنا ہوگا کہ ہماری جو صورت حال ہے اور قوموں کے درمیان ہماری جو حیثیت ہے، اسے درست کرنا ہے یا اسی طرح کی پستی اپنی نسلوں میں منتقل کرنی ہے؟ اگر ہمیں خود کو درست کرنا ہے تو ہم دعوت دیتے ہیں کہ ہمارے ساتھ اس مسئلہ پر بار بار غور کریں اور فضول خرچی جیسی لعنت سے توبہ کرلیں، اسی طرح وراثت کی تقسیم میں اپنی بہنوں کے ساتھ انصاف کا معاملہ کریں۔

اوقاف کے تحفظ کا مسئلہ

ہمدردان ملک وقوم! آپ کو یہ معلوم ہے کہ ملک میں موقوفہ جائیدادوں کی تعداد لاکھوں میں ہے، ایک اندازے کے مطابق پانچ لاکھ موقوفہ جائیدادیں ہیں، جن میں دو لاکھ بیس ہزار رجسٹرڈ ہیں، لیکن ان کا نظم ونسق درست نہ ہونے، ان میں خرد برد اور ناجائز قبضوں کی وجہ سے امت ان کی آمدنیوں اور استفادے سے محروم ہے، ۱۹۵۴ء میں جمعیۃ علماء ہند کی کوششوں سے سینٹرل وقف ایکٹ پاس ہوا تھا، اس وقت سے اب تک وقف قانون میں ترمیم واصلاح کر کے اسے مفید بنانے کی کوشش کی جاتی رہی ہے، اس کے باوجود اوقاف کی حالت بد سے بدتر ہوتی جا رہی ہے، بے شمار موقوفہ جائیدادوں پر غیر سماجی عناصر، زمین مافیا اور انتظامیہ کے بدعنوان افراد نے قبضہ کر رکھا ہے، وقف کی جائیدادوں پر عوام، سرکاری اور نیم سرکاری اداروں کا ناجائز قبضہ ہے، وقف بورڈ کے بدعنوان عملہ کی طرف سے موقوفہ جائیدادوں کو اونے پونے داموں میں بیچ دینے کی اطلاعات بھی برابر موصول ہوتی رہتی ہیں، ان ناجائز قبضوں کے سبب وقف کی آمدنیوں کا بڑا حصہ مقدموں میں صرف ہوجاتا ہے، ناجائز قبضوں کی زد میں سب سے زیادہ قبرستان کی زمینیں ہیں، سرکار ہر سال بہت سی مسلم تاریخی یادگاروں سے اربوں روپے ملک وبیرون سے حاصل کرتی ہے لیکن ان میں سے کچھ بھی مسلمانوں پر خرچ نہیں کیا جاتا ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ حکومت اوقاف کے نظام کو درست کرنے کے تمام ضروری اقدامات عمل میں لائے، قانونی رکاوٹیں دور کرے، کرپشن دور کرنے کے لئے مؤثر تدابیر اختیار کرے، مجموعی طور سے ایسا نظام عمل بنادے، جس کے نتیجے میں تمام اوقاف، وقف کرنے والوں کے منشا کے مطابق استعمال ہوسکیں۔

عالم اسلام کی صورت حال

جمعیۃ علماء ہند کی روز اول سے یہ خصوصیت رہی ہے کہ اس نے ہمیشہ عالم اسلام اور مسلمانوں کے معاملات پر گہری نظر رکھی ہے اور حسب ضرورت اپنا دردمندانہ موقف ظاہر کیا ہے۔ عالم اسلام کے مسائل میں فلسطین کا مسئلہ تو ایک قدیم ناسور کی حیثیت رکھتا ہے، جس سے ملت اسلامیہ کا دل مسلسل زخمی رہا ہے، اس بارے میں جمعیۃ علماء ہند ہمیشہ نہایت سرگرمی اور قوت کے ساتھ آواز بلند کرتی رہی ہے؛ لیکن اِس وقت تو صورتِ حال ایسی ہے کہ:

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

ملک شام کئی سالوں سے بے قصور مسلمانوں کی قربان گاہ بنا ہوا ہے اور عالمی طاقتوں کی مداخلت سے وہ مسئلہ مزید الجھتا جا رہا ہے، وہاں کے مظلوم مسلمانوں کی آہیں سننے کے لئے کوئی تیار نہیں ہے۔ دوسری طرف یمن میں مسلم ممالک ہی مصروف جنگ ہیں ۔ لیبیا بدترین انتشار اور عدم استحکام کا شکار ہے۔غرض یہ کہ جس طرف دیکھئے عالم اسلام غیروں کی سازشوں اور اپنوں کی بے حسی اور بے عملی کے بدترین نتائج بھگت رہا ہے۔ایسے حالات میں شدید ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمانوں کا حکمراں طبقہ، نہایت بیدار مغزی، دردمندی اور سوز دروں کے ساتھ حالات کے تقاضوں کو محسوس کرے اور اپنی ذمہ داریاں صحیح طور پر ادا کرنے کے لئے اسلاف کا قلب وجگر ڈھونڈ لائے اور عام مسلمان بھی اللہ کی رسی کو مضبوطی

کے ساتھ پکڑ کر اپنی زندگی میں مکمل شریعت نافذ کرنے کا مزاج بنائیں۔

افغانستان

ایک طویل عرصے تک عالمی طاقتوں کے ساتھ مقابلہ آرائی اور بے شمار قربانیوں کے بعد اپنے ملک کو بیرونی مداخلت سے پاک کر کے اقتدار تک پہنچنے والی جماعت 'طالبان' کے استحکام کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسلامی اقدار اور نبوی کردار کی روشنی میں حقوق انسانی کا احترام کرتے ہوئے ملک کے تمام طبقات کے ساتھ منصفانہ اور کریمانہ معاملہ کو اپنی حکومت کا لازمہ بنائے، نیز خطے کے تمام ممالک بالخصوص بھارت کے ساتھ تعلقات کو خوش گوار اور مستحکم بنانے کی ہر ممکن کوشش کرے اور اپنی سرزمین کو کسی بھی ملک کے خلاف استعمال ہونے سے احتراز کرے۔

دنیا کے دیگر ممالک کو بھی افغانی عوام کی مدد اور تعاون کے لیے آگے آنا چاہیے اور بائیکاٹ کے بجائے بات چیت کی راہ اختیار کرنی چاہیے۔ یہ بہت ہی افسوسناک امر ہے کہ افغانستان کے اثاثے بہت سے مغربی ملکوں میں منجمد کر دیئے گئے ہیں اور افغانستان کی حکومت کو تسلیم نہ کر کے دنیا بھر میں ان کے ہمدردوں اور بہی خواہوں پر ان کی امداد و تعاون کے راستے بند کر دیئے گئے ہیں اور ان کی مخالف اقوام وممالک نے ان کے معاشی بائیکاٹ کا غیر اعلانیہ معاہدہ کر رکھا ہے جس پر سختی سے عملدرآمد کیا جا رہا ہے، حتی کہ جو تھوڑی بہت مدد وہاں جا رہی ہے وہ بھی محاصرہ کرنے والوں کی مرضی اور طریق کار پر موقوف ہے۔اس کی وجہ سے چار عشروں کی طویل جنگ سے تباہ شدہ افغان معاشرہ اور قحط وافلاس کی شکار افغان قوم کو موجودہ معاشی بحران میں انسانی بنیادوں پر غیر مشروط امداد و تعاون کے حق سے بھی محروم کر دیا گیا ہے جو بلیک میلنگ کی بدترین شکل ہے۔

جمعیۃ علماء ہند کسی بھی حکومت کے طرز عمل اور اس کی ظالمانہ سیاسی پالیسیوں سے بیزاری کا اظہار کرتی ہے، لیکن اس کی سزا اس کے عوام کو نہیں دی جاسکتی، جمعیۃ علماء ہند یہ سمجھتی ہے کہ مغربی ممالک میں افغانستان کے منجمد اثاثوں کی فوری بحالی اور موجودہ معاشی بحران میں افغان قوم کی مدد کا غیر مشروط ہونا بھی انسانیت کا تقاضہ ہے۔

دوسری طرف یہ بھی ضروری ہے کہ افغانستان میں اسلامی احکام کی پاسداری کی جائے اور حکومت اسلام کی نمائندگی کرتے ہوئے غیر اسلامی عمل کو اپنا شعار نہ بنایا جائے، مثلاً دور حاضر میں لڑکیوں کی تعلیم کا حصہ بین الاقوامی حقوق سے وابستہ کرکے بہت زیادہ زور وشور سے پیش کیا جاتا ہے، بلاشبہ تعلیم یافتہ خواتین ملک و معاشرے کے لیے اہم ہیں، اس لیے شرعی حدود میں رہتے ہوئے لڑکیوں کی تعلیم کا انتظام کیا جانا ضروری ہے۔ یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ دنیا کی کوئی بھی حکومت ظلم و جبر اور غیر قانونی راہ سے کامیاب نہیں ہوئی، حکومتوں کے استحکام کے لیے عدل و انصاف اور قانون کی بالادستی نہایت ضروری ہے۔ بالخصوص جزا و سزا کے معاملات میں ایک مضبوط اور آزاد جوڈیشیل سسٹم حکومتوں کا نہایت لازمی حصہ ہے، اس لیے افغان حکومت کو حکمت و دانشمندی کی راہ اختیار کرتے ہوئے ایک مہذب دنیا کے فروغ میں اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔

تنظیمی استحکام

معزز اراکین گرامی!

کسی بھی جماعت کے لیے افراد ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں، جماعت کی ترقی کا مدار مخلص اور تربیت یافتہ کارکنان پر ہی ہوتا ہے، تنظیم کے مقاصد کتنے ہی اعلیٰ کیوں نہ ہوں اگر اس کا تنظیمی ڈھانچہ مضبوط نہیں ہے تو وہ کبھی

بھی اپنے عزائم کو روبہ عمل نہیں لا سکتی، اس لیے میں تمام ہی اراکین و متعلقین سے گزارش کروں گا کہ وہ جماعت کی تنظیم کو مستحکم کرنے پر بھر پور توجہ دیں اور مختلف ہنر کے نوجوانوں کو تنظیم سے وابستہ کریں۔ کوئی بھی تنظیم اس وقت تک مستحکم نہیں ہوسکتی جب تک کہ اپنے تعمیری پروگراموں پر بھر پور توجہ نہ دے، ہمارے اکابر کے نزدیک تعمیری پروگراموں کی اہمیت اس قدر زیادہ تھی کہ انھیں باقاعدہ دستور اساسی کا جزو بنایا گیا۔ یہی تعمیری پروگرام ہماری جماعت کی اصل روح ہیں اور جو اکائیاں باقاعدگی کے ساتھ انھیں عمل میں لاتی ہیں انھیں عوام وخواص میں بے مثال پذیرائی اور قبولیت حاصل ہوتی ہے، دیگر اکائیوں کو بھی ان کی تقلید کرنی چاہیے۔

خاتمہ

حضرات!

آخر میں سمع خراشی کے لیے آپ سے معذرت خواہ ہوں اور آپ حضرات کی مساعدت وعنایت کے لیے شکر گزار ہوں، وقت کے مسائل ومشکلات اور مختلف قسم کی آزمائشوں کے تعلق سے آپ کی توجہ پھر اس جانب مبذول کرانا چاہوں گا کہ ہماری تاریخ ایسی روشن مثالوں سے بھری پڑی ہے کہ جب بھی آزمائش کی گھڑی آئی ہے اور اہل ایمان نے اللہ سے رجوع کیا اور صحیح حکمت عملی اختیار کی تو کامیابیوں نے قدم چومے ہیں، ہم خدا ہی کو تمام مشکلات کا حل کرنے والا اور اسی کو کارساز حقیقی سمجھ کر پورے یقین واذعان کے ساتھ اس پر بھروسہ کریں اور استقامت کے ساتھ اپنی دینی، ملی، قومی، انفرادی، اجتماعی، معاشی اور اقتصادی حالت سنوارنے کے لیے سرگرم عمل ہو جائیں، ملکی، قومی وآئینی نوعیت کے مسائل کے حل کے لیے کی جانے والی اپنی جدوجہد میں جمہوریت پسند، ملک دوست برادران وطن کو ساتھ لیں، اس متحدہ طاقت کے ساتھ آگے بڑھیں،

ان شاءاللہ کامرانی آپ کا استقبال کرے گی۔

لاتھنوا ولاتحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین. ربنا لاتزغ قلوبنا بعد اذھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمة انک انت الوھاب. ربنا افرغ علینا صبرا وثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکافرین. آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰة والسلام علی سید المرسلین

وعلی آلہ واصحابہ اجمعین. آمین

❖●❖